زمینی آلودگی پر مبنی کہانیاں
ادریس صدیقی

زمینی آلودگی پر مبنی کہانیاں

ادریس صدیقی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔110025

پہلی اشاعت : 2016
تعداد : 550
قیمت : -/35 روپے
سلسلۂ مطبوعات : 1927

Zameeni Aloodgi Per Mabni Kahaniyan

By: Idrees Siddique

ISBN :978-93-5160-168-5

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099

شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک۔8، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066 فون نمبر: 26109746
فیکس: 26108159 ای میل: ncpulsaleunit@gmail.com

ای میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: بھارت گرافکس، C-83، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز۔1، نئی دہلی 110020

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آ جاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آ جاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کر سکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اُس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

پروفیسر سید علی کریم
(ارتضیٰ کریم)
ڈائریکٹر

فہرست

میری بات

زمینی آلودگی نہ صرف بڑھتی جارہی بلکہ اپنا رنگ بھی دکھا رہی ہے! سبھی ملکوں میں تشویش ہونے لگی ہے۔ لیکن زمینی آلودگی روکنے کا اہم ترین کام بہت کم ہو رہا ہے۔ وہ ہے نئی نسل کو اس مسئلہ کے بارے میں واقفیت بہم کرنا۔ وہی مستقبل کے امین ہیں!

ماحولیاتی مسئلوں سے آگاہ کرنے کے مختلف ذریعوں میں کہانیاں بہت اہم کردار ادا کرسکتی ہیں۔ بچے نصاب میں جو پڑھتے ہیں وہ امتحان کے بعد بھول جاتے ہیں۔ لیکن کہانیوں سے کسی مسئلہ سے واقف کیا جائے تو ذہن پر نقش ثبت ہوسکتا ہے!

ہماری روزمرہ کی زندگی میں زمینی آلودگی رفتہ رفتہ اپنا زہر گھول رہی ہے۔ اس سے محض پیداوار ہی متاثر نہیں ہورہی ہے، دھیرے دھیرے لوگوں کی صحت بھی خراب ہونے سے معاملہ سنگین ہوچکا۔ کچھ معاملوں میں بچوں کی موتیں بھی ہوئی ہیں۔ اب ضروری ہوگیا ہے کہ بچوں کو زمینی آلودگی کا علم ہو۔ وہ خود بھی، بڑے ہوکر، ذمہ دار شہری بنیں۔ بچے وہ غلطیاں نہ دوہرائیں جو اُن کے بڑے کرچکے اور کررہے ہیں! ان کہانیوں کا یہی مقصد ہے۔

ادریس صدیقی

زمینی اور صنعتی آلودگی

(ذمہ داری)

ندیم بچپن میں پاپا اور ممی کے ساتھ نینی تال جا رہا تھا۔ تبھی ایک قصبہ سے گزرتے ہوئے پاپا نے کہا۔ ''یہ لال کنواں ہے۔'' ندیم نے کار سے باہر دیکھا تو اسے کوئی کنواں دکھائی نہیں دیا۔

''مجھے تو کوئی کنواں لال رنگ کا دکھائی نہیں دے رہا ہے؟'' ندیم نے کہا۔

''اس قصبہ کا نام لال کنواں ہے!'' پاپا نے ہنستے ہوئے بتایا۔ ابھی ندیم بارہ برس کا تھا۔ اُسے یہ نام کافی عجیب لگا۔ آج وہی یاد آنے پر اُسے ہنسی آتی ہے۔ وہ لوگ برسوں بعد لال کنواں جا رہے ہیں۔ ندیم اپنی فیکٹری لگانا چاہتا ہے۔

''پاپا، اسٹون کرشر فیکٹری لگانے میں بہت فائدہ ہے۔'' ندیم نے پاپا کو بتاتے ہوئے کہا ''میں نے پڑھا ہے کہ لال کنواں میں کافی کاروبار ہو رہا ہے۔''

''وہیں جانا کوئی لال رنگ کا کنواں نہیں ہے!'' پاپا نے ندیم کو چڑھاتے ہوئے کہا ''لیکن تم پتھروں کو توڑ کر گٹی اور بجری بنانے کی فیکٹری کیوں لگانا چاہتے ہو؟''

''چھوٹی فیکٹریوں میں اسٹون کرشر بہت کامیاب ہیں۔'' ندیم نے ابھی پڑھائی پوری

کی ہے۔ وہ نوکری کے بجائے اپنی فیکٹری لگانے کی سوچ رہا ہے۔'' اس کے لیے نہ پتھروں کی کمی ہے اور نہ ہی مزدوروں کی۔ پھر گٹی اور بجری کا بازار بھی خوب بڑھ رہا ہے۔''

''ہم لوگ پہلے لال کنواں چل کر دیکھتے ہیں۔ پھر فیصلہ کریں تو اچھا ہوگا۔'' پاپا کہنے لگے۔ ندیم بھی چاہتا ہے کہ پاپا ساتھ چلیں۔ ان دونوں کی باتیں سنتی ہوئی ندیم کی ممی بولیں۔ ''اچھا ہے۔ اسی بہانے نینی تال کی بھی سیر ہو جائے گی۔ وہاں گئے کتنے برس ہوگئے۔'' وہ لوگ اتوار کو لال کنواں کے لیے کار سے روانہ ہوگئے۔ ندیم نے پہلے ہی پاپا کو بتا دیا کہ ''لال کنواں سے کچھ دور گولو ندی سے پتھر آتے ہیں۔ قریب کے گاؤں کے لوگ اسٹون کرشر پر مزدوری کے لیے آسانی سے مل جاتے ہیں۔ اس لیے یہ کاروبار کامیاب ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ لال کنواں میں کرشر اور پھر گولوندی پر پتھروں کے ٹھیکیداروں سے بات کریں گے۔'' پاپا نے راستہ میں کھیتوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہاں کافی ہریالی ہے۔ لگتا ہے کہ کھیتی اچھی ہوتی ہے۔''

''یہ علاقہ کافی زرخیز ہے۔ یہاں دھان کی فصل بہت اچھی ہوتی ہے۔ اسی لیے چاول نکالنے کی چھوٹی چھوٹی ملیں بھی ہیں۔'' ندیم نے اپنی معلومات پاپا کو دیں۔ اُس نے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اس علاقہ کے بارے میں ضروری باتیں معلوم کرلی ہیں۔

لیکن وہ جیسے جیسے لال کنواں کے قریب پہنچتے گئے۔ تمام ہریالی دھیرے دھیرے کم ہوتی چلی گئی۔ لال کنواں آتے ہی ہر طرف دھند نظر آئی۔

''یہاں فیکٹریوں کی وجہ سے ہوا بھی تازہ نہیں لگ رہی ہے۔'' پاپا کہنے لگے ''اور شور بھی گونج رہا ہے۔''

''کارخانوں میں پتھروں کو توڑنے کا شور سنائی دے رہا ہے۔ بڑی بڑی مشینیں چلیں گی تو شور ہوگا ہی۔'' ندیم نے سمجھانے کے انداز میں بتایا۔

انھوں نے ایک ڈھابہ پر کار کھڑی کردی۔ پھر لال کنواں کے معائنہ پر نکل کھڑے ہوئے۔ ''یہاں پیڑ پودوں پر بھی کتنی گرد جمع ہے۔'' ای کو پیڑ پودوں سے بہت دلچسپی ہے۔

''پتھروں کو توڑنے اور بجری بنانے پر کافی دھول اڑتی ہے۔ وہی پیڑوں اور پتوں پر جمی ہوئی ہے۔'' ندیم سے پہلے پاپا نے وجہ بتائی۔ وہ قصبہ کے کئی کرشر دیکھنے کے بعد گولو ندی کے لیے روانہ ہوئے۔

''یہاں سبھی کرشر فیکٹریاں اچھی چل رہی ہیں۔'' ندیم نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے کہا۔ اُس کی معلومات غلط نہیں ہیں!

لال کنواں سے باہر نکلتے ہی کھیتوں کو دیکھ کر افسوس ہونے لگا۔ ''ان کھیتوں کی مٹی پر پتھروں کی دھول بہت زیادہ اکٹھا ہوچکی۔ اسی لیے کھیت اجڑے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔'' پاپا کا اندازہ صحیح ہے۔

وہ گھنٹہ بھر میں گولو ندی پر پہنچ گئے۔ یہ سڑک سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اس پہاڑی ندی سے نکلے پتھروں کے بڑے بڑے ڈھیروں کو دیکھ کر پاپا نے کہا۔ ''یہ ندی تو پتھروں کی کان لگتی ہے!''

وہاں کتنے ہی ٹرکوں میں پتھروں کو لادا جارہا ہے۔ انھیں دکھاتے ہوئے ندیم بولا۔ ''یہاں سے سارے پتھروں کو لال کنواں بھیجتے ہیں۔'' یہاں ٹھیکیدار سے پتہ چلا کہ ابھی کئی فیکٹریاں لگائی جاسکتی ہیں کیونکہ پتھروں کی کوئی کمی نہیں ہے۔

اپنے کاموں سے نپٹنے کے بعد نینی تال کی سیر کی گئی۔ اگلے دن واپسی کے لیے لال کنواں ہوتے ہوئے جارہے ہیں۔ کھیتوں کی خراب حالت دیکھتے ہوئے پاپا کہنے لگے ''ان فیکٹریوں کی دھول سے کھیتوں کی مٹی اتنی آلودہ ہوچکی کہ فصلیں اچھی نہیں ہورہی ہیں۔''

''شاید اسی لیے کھیتی کے بجائے یہ لوگ کارخانوں میں مزدوری کررہے ہیں۔'' ندیم کی سمجھ میں آرہا ہے کہ یہاں سستے مزدور کیوں مل جاتے ہیں۔

''بھئی فیکٹریوں کو تو فائدہ ہے۔ گولو ندی سے پتھروں اور گاؤں سے کسانوں کے مزدوری کرنے کی کوئی کمی نہیں۔ تبھی یہ کاروبار بہت فائدہ مند ہے۔'' یہ کہتے ہوئے پاپا اپنے بیٹے کی طرف دیکھنے لگے۔ ندیم کسی سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔

''مجھے یہاں آنے سے پہلے یہ حالات معلوم نہیں تھے۔'' ندیم نے کچھ بجھی آواز میں کہا۔

''تمھیں فیکٹری لگانے پر نفع سے مطلب! پھر کیا سوچ رہے ہو؟'' پاپا نے ندیم کا فیصلہ جاننا چاہا۔ وہ اپنا کوئی فیصلہ ندیم پر تھوپنا نہیں چاہتے ہیں۔

ندیم نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''بے شک بہت فائدہ ہے اسٹون کرشر لگانے میں۔'' وہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

''تو؟'' پاپا نے فیصلہ پوچھا۔

''لیکن اس میں کاشتکاروں اور ماحول کی بربادی بھی ہے۔'' ندیم نے اپنا فیصلہ بتایا ''میں یہ کاروبار نہیں کروں گا!''

پاپا آج ندیم میں ایک ذمہ دار نوجوان دیکھ رہے ہیں۔ انھیں اپنے بیٹے پر فخر ہو رہا ہے!

☆☆☆☆☆

مفت کی کھاد

منصور کو پڑھائی پوری کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا اچھا لگا کہ وہ کھیتی باڑی کرے گا! اُس نے اپنے ابا سے بتایا جن کی زندگی کھیتی کرتے گزری ہے۔ ''ابا، میں بھی کھیتی کروں گا۔ کوئی نوکری نہیں کرنا چاہتا ہوں۔'' اس سے پہلے کہ ابا، کوئی جواب دیتے منصور کی اماں کہنے لگیں ''جب کھیتی ہی کرنی تھی تو پڑھنے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟''

منصور نے ہنستے ہوئے بتایا ''اماں، کھیتی باڑی کی بھی پڑھائی ہوتی ہے۔''

''بھلا کھیتی بھی کہیں پڑھنے سے آتی ہے!'' اماں کو یقین نہیں ہو رہا ہے۔ ''وہ تو باپ دادا سے سیکھنے اور کرنے سے آتی ہے۔'' پھر بولیں۔ ''تمھارے ابا نے کون سی پڑھائی کی؟ وہ بھی اپنے باپ دادا سے سیکھتے اور کھیتی کرتے رہے ہیں۔'' اماں غلط نہیں کہہ رہی ہیں۔ وہی لوگ کھیتی کرتے چلے آ رہے ہیں جن کے بزرگ بھی کسان تھے۔

''اماں، کیا تمھیں معلوم ہے کہ سردیوں کی سبزیاں گرمیوں میں بھی پیدا کی جانے لگی ہیں؟'' منصور نے اماں کو سمجھانے کے لیے بتایا۔ وہ چونک پڑیں۔ ''کیا سبزیاں بھی بارہ ماسی ہونے لگیں؟'' منصور کو موقع مل گیا۔ وہ بولا۔ ''یہی تو پڑھائی لکھائی کا کمال ہے!''

''لیکن بیٹا، میں تو گیہوں، دھان، اور دالوں کی کھیتی کرتا رہا ہوں۔ مجھے اناج کی کھیتی

آتی ہے۔ سبزیوں کی نہیں۔" ابا کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ منصور سبزیوں کی کھیتی کیسے کرے گا؟

"تم فکر نہ کرو ابا، میری پڑھائی کام آئے گی۔" منصور نے ابا کو اطمینان دلایا۔ "پھر سبزیوں میں جتنا فائدہ ہے اُتنا اناج پیدا کرنے میں نہیں ہے۔"

منصور نے اپنی تیاری پوری کر لی۔ اُس نے سب سے پہلے خرچ کم رکھنے کا طریقہ سوچا۔ گوبر کی کھاد بہت مہنگی ہو چکی کیونکہ گوبر سے اُپلے بنا کر اچھے داموں میں بک رہے ہیں۔

"گوبر کی کھاد ہزار روپے ٹرالی بک رہی ہے!" اُس نے ابا کو بتایا۔

"ہاں۔ مہنگی تو ہو گئی لیکن چارا کیا ہے؟" ابا ہمیشہ دیسی کھاد استعمال کرتے رہے ہیں۔ "انگریزی کھادیں تو اور زیادہ مہنگی ہوتی ہیں۔" منصور سمجھ گیا کہ ابا کیمیکل کھادوں کی بات کر رہے ہیں۔

"میں کھیتوں میں کھڈی استعمال کروں گا۔" منصور کی بات سنتے ہی ابا چونک پڑے۔

"بھلا جانوروں کی پھینکی گئی گندگی کھاد کیسے ہو گی؟" انھوں نے پوچھا۔ وہ جانتے ہیں کہ بڑے جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد کام کی چیزیں جیسے گوشت، ہڈیاں اور کھال بازار میں بک جاتی ہیں۔ لیکن اُن کے بیکار حصوں کو پھینک دیا جاتا ہے۔ اُسی گندگی کو کھڈی کہتے ہیں۔

"وہی کھڈی مٹی میں مل کر سڑ جانے پر بہترین کھاد بن جاتی ہے۔ میں اُسے کھیتوں میں سڑاتے ہوئے کھاد کے لیے استعمال کروں گا۔" منصور نے ترکیب بتائی۔

منصور کو کھڈی کی کوئی قیمت بھی نہیں دینی پڑی۔ وہ سلاٹر ہاؤس کے باہر پھینکی گئی گندگی اٹھا لایا۔ "ابا، یہ مفت کی کھاد ہے!" منصور بہت خوش ہے۔ اُسے کھاد کے لیے کچھ بھی خرچ نہیں کرنا پڑ رہا ہے۔ "لیکن بیٹا، اس میں بہت بدبو آ رہی ہے۔" ابا نے کھیت کی مٹی میں سڑتی ہوئی کھڈی کی بدبو سے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ وہ کبھی کبھی کھیتوں کی طرف آتے ہیں۔ ورنہ اپنی بیماری کی وجہ سے گھر پر ہی رہتے ہیں۔ "وہ تو سڑی گوبر سے بھی آتی ہے۔" منصور کہنے لگا "اور پانس کی بدبو سے کھڈی کی بدبو زیادہ نہیں ہے۔" اس نے

گنے پیرنے کے بعد سڑاتے ہوئے پانس کے بارے میں کہا۔ پھر ابا چپ ہو گئے۔

منصور کے کھیتوں میں سبزیوں کی پیداوار بہت اچھی ہوئی۔ اس کی دیسی کھاد نے کمال کر دیا۔ منصور کی نقل کرتے ہوئے دوسرے کسان بھی گوبر کے بجائے کھڈی کو کھاد کے طور پر استعمال کرنے لگے۔

''یہ مفت کی کھاد تو بڑے کام کی نکلی!'' ابا بھی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکے۔

کھیتوں میں کھڈی ڈالنے سے یہ پریشانی ضرور ہونے لگی کہ مٹی میں گندے گندے کیڑے بہت زیادہ ہو گئے۔

لیکن منصور یہ سوچ کر خوش ہے کہ یہ کیڑے بھی مٹی میں مل کر کھاد بن جائیں گے!

''دیکھا ابا، اناج میں اتنا نفع کہاں؟ پھر کھاد کے خرچ کی بچت ہونے سے اور فائدہ بڑھ گیا۔''

''ہاں بھائی!'' اماں بھی کہنے لگیں۔ ''پڑھائی لکھائی سے یہی فائدہ ہوتا ہے۔''

پھر منصور کو کھیتوں میں کام کرنے پر پیروں کی کھال میں تکلیف ہونے لگی۔ وہ ناریل کے تیل کی مالش کر لیتا تو تھوڑا آرام مل جاتا۔ لیکن دھیرے دھیرے اُس کے تمام بدن کی کھال پر اثر پڑنے لگا۔ اُس کے بعد پیٹ میں بھی تکلیف رہنے لگی۔

''نہانے کے بعد تیل مالش اور کھانے کے بعد چُورن سے آرام ملے گا۔'' اماں نے گھریلو علاج بتایا لیکن جب پیٹ میں تکلیف بڑھتی گئی تو اُس نے گاؤں کے جھولا چھاپ ڈاکٹر سے دوا لی۔ اُسے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ منصور کی ہی نہیں گاؤں کے دوسرے لوگوں کو بھی یہی تکلیف ہو گئی۔ وہ سرکاری اسپتال پہنچائے گئے۔

''کوئی وبا پھیل گئی ہے۔'' ہر جگہ چرچا ہونے لگا تو ایک سرکاری ٹیم گاؤں بھیجی گئی۔ اُس ٹیم نے گاؤں میں پانی اور مٹی کے نمونے لیے۔ لوگوں کی جانچ بھی کی گئی۔ تب پتہ لگا کہ کھیتوں میں کھڈی استعمال کرنے سے جراثیم پھیل گئے ہیں! وہی دھیرے دھیرے کسانوں کے جسموں میں پہنچ گئے۔ ان لوگوں کا علاج ہی نہیں کیا گیا بلکہ سرکاری ڈاکٹر نے یہ بھی بتایا۔ ''کھڈی میں جانوروں کے خون، بال اور چھیچھڑے وغیرہ ہوتے ہیں۔ اُس سے

جراثیم پیدا ہو گئے۔ وہی بیماری پھیلا رہے ہیں۔

منصور پڑھا لکھا ہے اُس نے پوچھا "اگر کھڈی کو جراثیم سے پاک کر دیں تو؟"

"بالکل کر سکتے ہو۔ لیکن خرچ اتنا زیادہ آئے گا کہ گوبر کی کھاد بہت سستی پڑے گی"

منصور نے کان پکڑتے ہوئے کہا "ہم باز آئے ایسی مفت کی کھاد سے!"

واقعی یہ کھاد کسانوں کو بہت مہنگی پڑ سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

سوکھا

ننھے کے پاس زمین بھی ننھی ہے! اُس کی چھوٹی سی زمین کا ٹکڑا ریلوے پھاٹک کے بعد ہے۔ اُس طرف کوئی آبادی نہیں۔ کچھ دوری پر باغ ہیں اور پھر قبرستان۔ اتنی کم زمین پر باقاعدہ کھیتی نہیں ہوسکتی۔ فصلوں کو اگانے کے لیے چار چھ بیگھا زمین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے پاس صرف ڈیڑھ بیگھا زمین کا ٹکڑا ہے۔

''تم سبزیاں اُگا سکتے ہو۔'' ننھے کی بیوی نے مشورہ دیا۔

''اتنی سی جگہ میں کتنی سبزی پیدا ہوگی؟ پھر سینچائی کا بھی کوئی ذریعہ نہیں۔'' ننھے نے پریشانی بتائی۔ وہاں ندی اور نہر تو دور کی بات ہے۔ کوئی نالا بھی نہیں! وہ سبزیوں کے لیے پانی کہاں سے لائے؟ اُس ویرانہ میں بس سیور کا موٹا سا پائپ گزر رہا ہے۔ جس میں لوگوں کے گھروں کی گندگی کا پانی بہتا ہوا جاتا ہے۔ وہ پائپ آگے کھل کر تمام گندگی گڈھوں میں بھر رہا ہے۔ اُس کی گندگی سے وہاں بدبو پھیلتی رہتی ہے۔

لیکن ننھے کا دماغ تیز ہے۔ وہ کوئی ایسا کام کرنا چاہتا ہے کہ اُسے اچھی آمدنی ہو۔ چونکہ ننھے کی زمین لائن پار کہلاتی ہے پھر بھی شہر کے قریب ہے۔ وہاں سے واپس آنے پر پھاٹک پار کرتے ہی شہر آجاتا ہے۔ ننھے گھر سے زمین تک آتے جاتے شہر کی سبزی منڈی

کے قریب سے گزرتا ہے۔ ایک دن اس کی نظر ان رکشوں پر پڑی جن میں سبزیوں کے بورے ڈھوئے جا رہے ہیں۔ سبزی منڈی سے آتے جاتے بوریوں میں سبزی ڈھوتے رکشوں کو دیکھ کر اُس کے دماغ میں خیال آیا۔

''ہت تیرے کی۔'' وہ بڑبڑایا تو بیوی نے چونک کر پوچھا۔

''کیا ہوا؟'' وہ دونوں سبزی منڈی آئے ہوئے ہیں۔ یہاں سبزیاں تازہ بلکہ سستی بھی ملتی ہیں۔ پھر اس کا گھر بھی زیادہ دور نہیں۔

''اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آئی۔'' ننھا کہنے لگا۔ آج سبزیوں کو لاتے لے جاتے رکشوں کو دیکھ کر خیال آیا۔''

''کیا نئی سوجھی ہے؟'' بیوی پوچھنے لگی۔ وہ جانتی ہے کہ ننھے آسانی پسند کرتا ہے۔

''ہماری زمین بہت کم ہے۔ اس میں سبزیوں کی کھیتی بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن سبزیوں کی پود تیار کرنے کے لیے زمین کافی ہے۔'' ننھے کی بات میں دَم ہے۔ شہر میں کتنے ہی لوگ اپنے گھروں کی کیاریوں میں سبزی لگاتے ہیں۔ انھوں نے خود بھی گھر کے آنگن کے ایک کونہ میں تھوڑی سی شلجم کے لیے پود خریدی تھی۔

''صرف سبزیوں کی ہی کیوں؟ پھولوں کی بھی پود تیار کریں تو خوب بکے گی؟'' بیوی غلط نہیں کہہ رہی۔ ''ہاں۔ لیکن پود تیار کرنے کا کام برا نہیں۔ اچھے پیسے کما سکتے ہیں۔'' ننھے اپنے خیال سے بہت خوش ہے۔

''لیکن پانی تو پود کے لیے بھی ضروری ہوتا ہے۔ اُس کے لیے کیا کرو گے؟'' ننھے کی بیوی نے دھیان دلایا۔ سینچائی کے بغیر کچھ بھی اُگایا نہیں جا سکتا۔

''تم فکر نہ کرو۔ اس کا بھی جگاڑ ہو جائے گا۔'' ننھے سوچ رہا ہے اور اس کی بیوی سمجھ گئی۔

''تم گندے پانی کے پائپ سے سینچائی کے بارے میں سوچ رہے ہو۔ ہے نا؟'' اُس نے پوچھا۔

''بالکل ٹھیک سمجھیں۔'' ننھے کے چہرہ پر خوشی جھلکی۔

''لیکن گندگی بھرے پانی...؟'' وہ آگے نہیں کہہ پائی۔

''وہی تو پانی کے علاوہ کھاد بھی ہوگا! تم نے دیکھا ہوگا کہ نالوں کے کنارے سبزیاں پیدا کی جا رہی ہیں۔ وہ بھی نالے کے گندے پانی سے ہی سینچائی کرتے ہیں۔''

ننھے نے بہت جوش سے کیاریاں تیار کیں۔ وہاں مٹی سے گھاس پھوس اور کھر پتوار نکالنے میں اس کی بیوی مدد کرتی رہی۔ وہ دونوں مل کر اپنی سبزیوں کی پود گاہ تیار کر رہے ہیں۔ سب سے زیادہ محنت کا کام ثابت ہوا کیاریوں کی مٹی کھودنا۔

''زمین بالکل سوکھی ہونے کی وجہ سے بہت سخت ہے۔ کیوں نا پہلے پانی لگا دو؟'' ننھے کی بیوی بھی گاؤں سے آئی ہے اور تھوڑا بہت کھیتی کے بارے میں جانتی ہے۔

ننھے نے سوریج پائپ میں بڑا سا چھید کر دیا۔ اُسی سوراخ سے گندا پانی کیاریوں کے ساتھ بنی نالی میں بہنے لگا۔

''ارے، اس میں بہت گندگی ہے!'' وہ ناک پر ساڑی کا پلو، رکھتے ہوئے بولی۔

''یہی تو کھاد ہے!'' ننھے گندگی سے بے پرواہ کیاریوں میں پانی بھرنے لگا۔ جب ساری کیاریوں میں گندگی کے ساتھ پانی بھر گیا تو اس نے ایک لکڑی کے ٹکڑے کو ٹھونس کر پائپ کا سوراخ بند کر دیا۔

''دیکھا۔ ڈاٹ اچھی لگی ہے۔'' وہ سوراخ بند کرنے والی گولائی میں لکڑی کے ٹکڑے کو ڈاٹ لگانا کہتا ہے جیسے کہ بوتل پر کارک یا ڈھکن بھی ڈاٹ کہا جاتا ہے۔ پانی لگانے کے دو دنوں بعد زمین کو پھاوڑے سے کھودنے میں اتنی محنت نہیں پڑی۔ انھوں نے کیاریاں تیار کرنے کے بعد کئی طرح کی سبزیوں جیسے گوبھی، شلجم، چقندر، مولی، پیاز، گاجر، لہسن کے بیج ڈالے۔ پھر سینچائی کے لیے سیوریج کے پائپ کا سوراخ کھول دیا۔ ننھے کی بیوی ایک کنارے کھڑی ہوگئی وہ پانی کے ساتھ آرہی گندگی سے دور رہنا چاہتی ہے!

تھوڑے دنوں میں بیجوں سے پودے نکلنے لگے! ان دونوں کی محنت کامیاب رہی۔ ننھے کی کیاریوں میں بہت اچھی پود تیار ہونے لگی۔ پہلی ہی فصل میں اچھی کمائی ہوئی۔ اُس کے بعد ننھے اور دیّی کا کاروبار چل نکلا۔

وہاں کھیت میں ہلکی سی بدبو ہر وقت رہتی۔ لیکن کھاد میں بھی بدبو ہوتی ہے۔ دھیرے دھیرے ننھے کے کھیت کی کیاریوں میں مٹی ہلکی کالی سی نظر آنے لگی۔

''اس کا مطلب ہے کہ مٹی میں خوب کھاد پیدا ہو چکی!'' ننھے نے بنّی کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ''لوگوں کے پیشاب پاخانوں کی کھاد؟'' بنّی کو آج بھی سیوریج کی گندگی پر اعتراض ہے۔

''گوبر بھی جانوروں کا پاخانہ ہی ہوتا ہے۔'' ننھے نے دلیل دی۔ وہ خوش ہے کہ سینچائی کے گندے پانی میں کھاد بھی شامل ہے۔ اُسے اور کیا چاہیے؟

کچھ برسوں کی کھیتی میں زمین کی مٹی کا رنگ ہی نہیں بدلا وہ اوپر سے سوکھنے پر پپڑی کی طرح ہو جاتی۔ ننھے پانی بھر کر نمی پیدا کرتا رہتا، لیکن گندے پانی سے۔ پھر گرمیوں کے موسم میں تیز دھوپ ہونے پر زمین میں دراریں سی دکھائی دینے لگیں۔

''ارے یہ تو سوکھا پڑنے پر زمین کی طرح چیخ رہی ہے!'' بنّی نے دھیان دلایا ''اتنی تیز دھوپ اور گرمی میں اوپر سے زمین چیخ رہی ہے تو اس میں سوکھا پڑنے والی کون سی بات ہے؟'' ننھے کو سوکھا پڑنے کی بات پسند نہیں آئی۔ اُس نے پھاوڑے سے کھودتے ہوئے پھر مٹی کو پھیلا کر برابر کر دیا۔ ''لو، زمین ٹھیک ہو گئی نا؟'' لیکن گندا پانی لگانے کے بعد اگلے دن پھر پپڑی جم گئی اور اُس کے بعد اوپر سے زمین چیخ گئی۔

''میرا کیا جاتا ہے!'' ننھے نے سوچا۔ وہ گندگی سے بھرے پانی سے سینچائی کرتے ہوئے پود تیار کر کے پیسے کماتا رہا۔ انھیں پانچ برسوں میں کافی آمدنی ہوئی۔

''اس بار پودے کمزور پیدا ہو رہے ہیں۔'' ننھے نے خود یہ بات کہی۔

''لگتا ہے کھاد کی کمی ہے۔'' بنّی نے اپنا خیال بتایا۔

''شاید!'' ننھے نے سوچا اب ان کے پاس آمدنی ہو رہی ہے۔ تو کیوں نا تھوڑی سی گوبر کی کھاد ڈال دیں۔ وہ کچھ بورے گوبر کی سڑی ہوئی کھاد لے آیا۔ سبھی کیاریوں میں اچھی سی کھاد لگا دی۔ لیکن پود کمزور ہی رہی۔

''اگلی بار پہلے سے کھاد ڈال دیں گے تبھی اچھی، پود تیار ہوگی۔'' ننھے کو امید ہے کہ سب ٹھیک ہوگا۔ لیکن پانی سوکھتے ہی زمین اوپر سے چٹختی رہی۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ مٹی بھربھری اور کچھ ریتلی ہوتی جارہی ہے۔ اسے فکر ہونے لگی۔

ایک دن بابو جی پود خریدنے آئے۔ انھوں نے پیاز کی پود گھر کی کیاریوں کے لیے خریدی۔ ''تھوڑی مٹی زیادہ لگی رہنے دینا پود کی جڑوں میں۔'' بابو جی نے ننھے سے کہا۔ وہ پود تھوڑی مٹی سمیت نکال کر دیتا ہے۔ ورنہ جڑیں سوکھ کر پودا مر سکتا ہے۔

''تمھاری مٹی تو خراب ہورہی ہے۔'' بابو جی پود کی جڑوں میں لگی مٹی دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

''کیوں؟ اس میں کیا خرابی ہے؟'' ننھے نے جاننا چاہا۔

''مٹی میں تیزابی اثر کافی ہے۔ کیا سیوریج کا پانی استعمال کرتے ہو سینچائی کے لیے؟''

بابو جی نے سیوریج پائپ سے ٹپکتے ہوئے پانی کو دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں۔ اُسی سے سینچائی کرتا ہوں۔ کھاد، پانی مفت ہے۔ اسی لیے پود بھی سستی بیچتا ہوں۔'' ننھے نے کاروباری انداز میں بتایا۔

''وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن انسانی فضلہ، میرا مطلب گندگی، جسم میں سے گندگی اور تیزابی مادہ بھی نکلتا ہے۔ وہ خالی پانی نہیں ہوتا۔'' بابو جی پڑھے لکھے آدمی ہیں۔

''تو اس میں کیا ہوتا ہے؟'' ننھے نے سوال کیا۔

''ہمارے جسم سے تھوڑے زہریلے مادے باہر نکلتے ہیں۔ تم اُسی گندے پانی سے سینچائی کررہے ہو۔ وہ بھی برسوں سے۔'' وہ بتانے لگے۔ ''اب اس کا اثر پورا ہورہا ہے۔''

''وہ کیا؟'' ننھے اور بٹی دونوں کے منہ سے نکلا۔

''وہ یہ کہ زمین کی مٹی خراب ہوچکی! اب یہ ریت کی طرح ہوجائے گی۔ لیکن اوپر سے پپڑی جمتے ہوئے سخت اور چٹخی رہے گی۔'' بابو جی کی بات سن کر ننھے اور بٹی کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی!

ننھے کی بنجر زمین آج بھی پڑی ہے۔ سوکھی، پپڑی جمی، اور چٹخی ہوئی! اور یہ سوکھا انہی کی وجہ سے پڑا ہے۔

☆☆☆☆☆

مویشی

نظیرآباد چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہاں زیادہ تر لوگ کھیتی کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے گائے یا بھینس اور بکریاں بھی پال رکھی ہیں۔ لیکن اب مویشی پالنے کا رواج بہت بڑھ گیا ہے۔ گاؤں میں ہر طرف گائیں بھینسیں اور بکریاں نظر آنے لگی ہیں۔

''بابا، اب کھیتی میں فائدہ نہیں ہو رہا۔ اس لیے گائیں بھینسیں پالنے میں عقلمندی ہے۔'' صابر شاہ نے اپنے بزرگ والد دین شاہ سے کہا۔

''ہمارا پشتینی کام کھیتی رہا ہے۔ گائے یا بھینس گھر میں دودھ، دہی کے لیے پالتے ہیں۔'' دین شاہ نے بیٹے کو بتایا۔

''لیکن دودھ دہی کے کاروبار میں بہت فائدہ ہے۔ میں کئی بھینسیں خرید کر پالنا چاہتا ہوں۔'' بھلا دین شاہ اپنے جوان بیٹے سے کیا کہتے؟ وہ کاروبار کرنا چاہتا ہے تو انھیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ''تمھارا زمانہ ہے۔ جو جی چاہے وہ کرو۔''

''اچھا ہوگا اگر کھیتی کے ساتھ دودھ کا کاروبار کریں گے۔ اس سے کافی آمدنی ہوگی۔'' صابر نے بتایا۔ ''ہمارے گاؤں میں چراگاہ بھی ہے۔ کھیتوں میں چارا بھی پیدا کریں گے۔ باقی چراگاہ میں مویشیوں کو چرانے سے کام چل جائے گا۔''

دھیرے دھیرے گاؤں میں ہر طرف مویشی نظر آنے لگے۔ گاؤں میں بکریاں بھی بہت زیادہ ہوگئیں۔ ایک دن بوڑھے نور علی دین شاہ سے باتیں کرتے ہوئے بتانے لگے۔

''اپنے گاؤں میں بکریاں اتنی زیادہ ہوگئی ہیں کہ چراگاہ میں جھاڑیوں پر بھی پتے نہیں رہ گئے۔ وہ تو پودے بھی کھا گئیں!''

''بکریاں پودوں کو چپل کر ختم کر دیتی ہیں۔ رہی سہی کسر گائیں اور بھینسوں نے پوری کردی۔ چراگاہ میں گھاس کا تنکہ بھی دکھائی نہیں دیتا ہے۔'' دین شاہ کو بھی معلوم ہے کہ چراگاہ کی کیا حالت ہو چکی ہے۔ کچھ ہی برسوں میں چراگاہ ایک چٹیل میدان ہوگئی۔ نظیر آباد شہر کے بہت نزدیک ہے۔ اس لیے دودھ کی مانگ بڑھتی جارہی ہے۔ اُسی کے ساتھ دودھ کے دام بھی کافی بڑھ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے گایوں بھینسوں کی گنتی اور بڑھادی۔

''شہر کی آبادی بہت بڑھ گئی۔ نئی نئی کالونیاں بنتی جارہی ہیں۔ ان کے آباد ہونے کے ساتھ دودھ کی کھپت بھی بہت زیادہ ہونے لگی ہے۔'' صابر شاہ اپنے والد کو بتانے لگا۔

''ہاں۔'' بزرگ دین شاہ نے اُداس ہو کر کہا۔ ''کھیتوں میں اناج سے زیادہ چارا اُگایا جانے لگا ہے۔ اسی لیے اناج مہنگا ہوتا جارہا ہے اور کم بھی۔''

گاؤں میں مویشیوں کی وجہ سے جھگڑے بھی بڑھنے لگے۔ گایوں اور بھینسوں کو اکثر کھیتوں میں منہ مارنا پڑتا۔ اب چراگاہ بالکل سوکھی پڑی رہتی ہے۔ وہاں دھول اُڑتی دکھائی دینے لگی۔ اتنا ہی نہیں گاؤں میں کھیتوں کی زمین بھی ریتیلی ہورہی۔

''سبزہ نہیں رہنے کی وجہ سے زمینیں سوکھنے لگی ہیں۔ ان میں نمی ختم ہورہی ہے۔'' دین شاہ دور کی سوچ رہے ہیں۔

''یہ تو بارش نہیں ہونے سے ہورہا ہے۔ اس کا مویشیوں سے کوئی تعلق نہیں۔'' بھلا صابر کیسے مان لیتا؟ وہ تو زیادہ آمدنی سے خوش ہے۔

''اور بارش کیوں نہیں ہورہی؟'' دین شاہ نے بیٹے سے پوچھا۔

''کیونکہ سوکھا پڑ گیا ہے!'' صابر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اور کیا جواب دے؟

''یہ سوکھا بھی اسی لیے ہے کہ سبزہ ختم ہو رہا ہے۔ پیڑوں کو پہلے ہی ٹھکانے لگا دیا گیا۔ پھر بھیڑوں اور بکریوں نے پودوں کو بھی ختم کر دیا۔ گایوں اور بھینسوں نے گھاس کا تنکہ بھی نہیں رہنے دیا۔ زمین چٹیل میدان سی ہو گئی۔'' دین شاہ کی بات غلط نہیں۔ پیسے کمانے کی دوڑ میں سبزہ ختم ہو گیا۔ یہ بات صابر بھی سمجھتا ہے لیکن وہ کیا کرے؟

برسوں گزر گئے۔ دین شاہ نہیں رہے۔ صابر کے بچے، بڑے ہونے لگے۔ نظیر آباد گاؤں ہونے پر بھی ہرا بھرا دکھائی نہیں دیتا۔ چراگاہ کی زمینیں بیچ دی گئیں تاکہ ان پر کھیتی ہو۔ لیکن وہاں مٹی دھول ہو چکی۔ جس میں کچھ بھی پیدا نہیں کیا جا سکا۔

وہ زمینیں بنجر ہو چکیں! اور بنجر زمین میں کوئی فصل نہیں ہوتی، چارا بھی نہیں!

☆☆☆☆☆

پشیمانی

''اگر میرے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ تو میں اس کا نام شیر رکھوں گا۔'' صادق خاں نے اپنے گہرے دوست جسونت سنگھ سے کہا۔ ''لیکن وہ تیرے مذہ کی طرح شیر سنگھ نہیں بلکہ شیر خان ہوگا!''

''یار، ہوں گے تو وہ شیر!'' جسونت سنگھ نے خوشی ظاہر کی۔ ان دونوں میں ایسی ہی دوستی ہے، وہ بھی بچپن سے۔ اصل میں جسونت سنگھ کے کھیت بالکل سرحد پر ہیں اور وہیں صادق کے کھیت ہیں۔ پھر ملک تقسیم ہونے کے ساتھ پنجاب کے گاؤں بھی بٹ گئے۔ لیکن صادق اور جسونت کے کھیت وہیں قریب قریب رہے اور دونوں میں دوستی بھی بنی رہی۔

''کیا فرق پڑتا ہے کہ ہم کانٹے دار تاروں کے ادھر اور اُدھر ہیں۔'' صادق نے اپنے دوست سے کہا۔ ''ہماری دوستی اور کھیت آج بھی ویسے ہی باقی ہیں۔''

''بالکل۔'' جسونت کہنے لگا۔ ''ملک ضرور بٹ گئے لیکن ہمارے دل نہیں۔''

ان دونوں نے اپنی دوستی کی وجہ سے اپنے اپنے بیٹے کا نام شیر سنگھ اور شیر خان رکھ دیا! انھیں اپنے باپ کے علاوہ سرحد کی دوسری طرف چچا سے بھی پیار ملا۔ جسونت سنگھ اور صادق خاں نہیں رہے۔ لیکن شیر سنگھ اور شیر خاں میں بھائیوں جیسا رشتہ رہا۔ وہ تاروں کی باڑھ کے

پیچھے سے ایک دوسرے سے باتیں کرتے۔

"اوئے شیرا، تو کون سی کھاد استعمال کرتا ہے؟ تیری فصل، نظر نہ لگے، بہت اچھی ہورہی ہے۔" شیر خاں نے اپنے یار سے پوچھا۔

"دیکھ پانی کی کمی نہیں۔ ہم دونوں ہی پنجاب میں ہیں۔ اس لیے کھاد کافی ڈالتے رہو۔ پھر دیکھو فصل کیسی اچھی ہوگی۔" وہ دونوں گھر خاندان کے علاوہ اپنی کھیتی کے بارے میں بھی باتیں کرتے ہیں۔ پنجاب میں مٹی کافی زرخیز ہوتی ہے پھر بھی کھاد کا استعمال بڑھاتے رہنے سے پیداوار بھی بہت زیادہ بڑھ گئی پھر تو زیادہ سے زیادہ کھاد ڈالنے لگے۔ کچھ برسوں تک فصلوں کی پیداوار لگاتار بڑھتی گئی۔ اس کے بعد اتنی ہی فصل پیدا کرنے کے لیے پہلے سے بھی زیادہ کھاد کی ضرورت ہونے لگی۔

"یار، ایک تو پیداوار بڑھ نہیں رہی۔ اوپر سے کیڑے مکوڑے بہت نقصان کرنے لگے ہیں۔" شیر خان کہنے لگا۔ اس بار کیڑے بہت لگ رہے۔"

"فصلوں کو بچانے کے لیے تیز اثر والی دوائیں چھڑکتے رہو۔ کنجوسی کرو گے تو فصل بھی کم ہوگی۔" شیر سنگھ نے بتایا۔ "میں تو اپنے کھیتوں میں کیڑے مارنے والی دواؤں کی برسات کردیتا ہوں۔ پھر کیڑوں کی کیا مجال۔"

اپنے دوست کے مشورہ سے شیر خان بھی کیڑے مارنے والی تیز دوائیں کھیتوں میں کھڑی فصلوں پر خوب چھڑکنے لگا۔ ان دونوں نے کچھ کھیتوں میں تربوز اور خربوز بھی لگائے ہیں۔

"ہمارے یہاں کے تربوز اور خربوزے کافی میٹھے ہونے کی وجہ سے مشہور ہوچکے۔" شیر خان نے فخر سے کہا۔

"میرے پھل بھی تجھ سے کم نہیں!" شیر سنگھ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "کئی برسوں سے فصل بوتے ہی ٹھیکہ مانگنے آجاتے ہیں۔ اس بار پیشگی میں بڑی رقم ملی ہے۔" یہی شیر خان کے ساتھ ہوا کہ فصل بوتے ہی بک گئی۔ آخر دونوں کے کھیتوں اور فصلوں میں فرق کیسے ہوتا؟ ان کے کھیتوں کی مٹی ایک جیسی ہے؟

لیکن اس سال عجیب بات ہوئی۔ ان کے کھیتوں کے تربوز اور خربوزوں میں مٹھاس سے زیادہ کڑواہٹ ہے!

''یار، تیرے تربوز میٹھے ہیں کہ نہیں؟'' شیر خان کو اپنے سے زیادہ شیر سنگھ کی فکر ہے۔

''میرے تیرے الگ کیسے ہو سکتے ہیں؟'' شیر سنگھ نے اُداسی سے کہا۔

''وہ بھی کڑوے نکل رہے ہیں؟'' شیر خان نے معلوم کیا۔

''ہاں۔'' دوست نے بتایا۔ ''کل میں جالندھر جا رہا ہوں۔ وہاں زراعتی یونیورسٹی سے معلوم کروں گا۔''

شیر خان اپنے دوست کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اس درمیان اُس نے بھی اپنے کھیتوں کی مٹی جانچ کے لیے دے دی۔ وہ بھی جاننا چاہتا ہے کہ آخر فصلیں کڑوی کیوں ہونے لگیں؟ یہی بات معلوم کرنے شیر سنگھ بھی جالندھر گیا ہے۔ وہ دونوں جلدی ہی مٹی کے نمونوں کی جانچ سے جان گئے کہ وجہ ایک ہی ہے۔

''ہم لوگوں نے کیڑے مارنے والی دوائیں اتنی زیادہ استعمال کی ہیں کہ کھیتوں کی مٹی زہریلی ہوگئی ہے!''

دونوں شیر اپنی اپنی، لیکن ایک جیسی، بیوقوفی پر پچھتا رہے ہیں!

☆☆☆☆☆

مٹی کا تودہ

''آج زیادہ مٹی لانا!'' ماں نے ناہید سے کہا۔ ''تھوڑی سی مٹی لاتی ہو اور سارا دن لگا دیتی ہو۔'' دس برس کی ناہید ٹیلہ سے مٹی کھود کر لاتی ہے۔ وہاں کئی بچے یہی کام کرتے ہیں۔ وہ دن بھر لوہے کی نوک دار سلاخ سے مٹی کھودتے ہیں۔ پھر مٹی کو بیچ دیا جاتا ہے۔

گھر سے کافی دور مٹی کے ٹیلے ہیں۔ یہ پہاڑی کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی ناہید نیچے گڈھے میں اتر گئی۔ وہ ایک اونچے سے ٹیلہ کے اندر ہی اندر کھودتی ہوئی مٹی اکٹھا کرتی ہے۔ ایسے گہرائی میں کھودے گئے مٹی کے ٹیلہ کو ڈھاک کہتے ہیں۔

''یہ ڈھاک تو اندر ہی اندر گہری ہوتی جا رہی ہے۔'' وہاں مٹی کھودتے ہوئے نصیبن نے کہا۔ یہ عورت بھی روزانہ مٹی کھودنے آتی ہے۔ ناہید نے دیکھا کہ نصیبن نے کافی مٹی اکٹھا کر لی ہے۔ لیکن وہ ابھی چھوٹی ہونے کی وجہ سے اتنی زیادہ مٹی کھود نہیں پاتی۔ پھر زیادہ مٹی ڈھوئے گی کیسے؟ وہ بھی دوسروں کی تسلہ میں مٹی بھر کر سر پر ڈھوتی ہے۔

''پورا تسلہ بھر لیا کر لڑکی۔ ذرا سی مٹی سے کیا ہوگا؟'' نصیبن نے ناہید کو سمجھایا۔ وہ جانتی ہے کہ ناہید کو گھر پر ڈانٹ پڑتی ہوگی۔

''لیکن اٹھاؤں گی کیسے؟'' ناہید نے اپنی پریشانی بتائی۔ زمین پر رکھے تسلہ کو بھر کر

سر تک اٹھانا آسان نہیں۔

''میں ہاتھ لگوا دوں گی۔'' نصیبن نے مدد کی۔ سر پر بھرا تسلہ رکھتے ہی ناہید کی گردن ڈگمگانے لگی۔ اتنا وزن اٹھا کر گھر تک جانے میں بیچاری ناہید پسینہ میں نہا گئی۔

''ایسے ہی تسلہ بھر کر لایا کر!'' ماں نے ناہید کے سر سے تسلہ اُتار کر مٹی ڈھیر کرتے ہوئے کہا۔ ''چل ہاتھ منہ دھو کر روٹی کھالے۔'' آج روٹی کے ساتھ شوربہ دار آلو کی سبزی بھی ہے۔ ناہید سمجھ گئی کہ ماں نے کچھ بوریاں بیچی ہیں۔ جس دن مٹی کی کئی بوریاں بک جاتی ہیں۔ تبھی گھر میں روٹی کے ساتھ دال یا سبزی ہوتی ہے۔ ورنہ روٹی کے ساتھ چٹنی ہی کھاتے ہیں۔

''جب سے ابا گزر گئے گوشت دیکھنے کو بھی نہیں ملتا۔'' ناہید کو گوشت یاد آنے لگا۔ اُس کے ابا کی مزدوری بہت نہیں تھی لیکن مہینہ دو مہینہ میں گوشت ضرور پکتا تھا۔

''کیوں؟ ابھی بقرعید میں کھایا تھا کہ نہیں؟'' نصیبن نے ناہید کو یاد دلاتے ہوئے کہا۔ ''اُس دن تو کئی لوگوں نے بستی میں گوشت بانٹا تھا۔ ہم نے کئی دن مزے سے کھایا تھا۔''

''اماں، ڈھاک گہری ہو چکی ہے اور اوپر چھتری سی دکھائی دیتی ہے۔'' ناہید نے پوچھا کہ کیا وہ اُسی ٹیلہ کے اندر سے مٹی نکالتی رہے۔

''وہاں کبھی کان کھودی گئی تھی۔ اس لیے ڈھاک گہری ہو گئی ہے۔'' اماں جانتی ہے۔

''لیکن کیا دیواریں موٹی ہیں؟'' اُسے بھی اپنی اکلوتی بچی کی فکر رہتی ہے۔

''ہاں۔ لیکن اوپر بہت جھکی ہوئی چھجہ دار ہو چکی ہے۔ نصیبن بھی یہی کہہ رہی تھی۔''

ناہید بتانے لگی۔ اب کسی دوسرے ٹیلہ کو کھودنا ہوگا۔ تھوڑی محنت زیادہ کرنی ہوگی۔''

''خود تو وہ اسی ڈھاک کو اندر سے کھود رہی ہے کہ آسان ہے۔ تم اُس کی بات نہیں سنو۔''

اماں نے نصیبن کو چالاک بتائی۔

پھر کئی دنوں تک نصیبن دکھائی نہیں دی۔ ناہید نے سمجھا کہ وہ کہیں جھاڑو برتن کا کام

کرنے لگی ہوگی، اُس کی اماں کی طرح!

"یہاں مٹی نرم ہے۔ نیا ٹیلہ کھودنا بہت مشکل ہوگا۔" ناہید مٹی کھودتے ہوئے خود سے باتیں کرتی رہتی ہے۔ وہ آج اکیلی ہے کیونکہ دوسرے لوگ دکھائی نہیں دے رہے۔ وہ کہیں اندر کھود رہے ہوں تو الگ بات ہے۔

"بس کل سے یہاں نہیں کھودوں گی۔ پتہ نہیں یہ کب ڈھے جائے؟" ناہید نے سوچا ہی تھا۔ تبھی اوپر سے چھجہ ٹوٹ کر گرنے لگا۔ اس سے پہلے کہ ناہید وہاں سے بھاگتی۔ اس کے اوپر اتنی مٹی گری کہ وہ دب گئی۔ کہتے ہیں کہ قدرت خالی جگہ بھرتی رہتی ہے۔

ناہید کی قبر آج بھی وہیں ہے، ہزاروں من مٹی کے نیچے!

☆☆☆☆☆

تازہ سبزیاں

پنڈت جی خود تو شاکاہاری ہیں اور اپنے بچوں کو بھی سبزیاں کھانے کے لیے فائدے بتاتے رہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ انھیں شاکاہاری زبردستی بنائیں۔ ہاں گھر میں سبزیوں کے علاوہ کچھ پکنے نہیں دیتے! آج وہ پالک لائے ہیں۔ اس لیے پالک کے فائدے بتائے جا رہے ہیں۔

''پالک میں بہت خوبیاں ہیں۔ اس میں لوہا بہت ہوتا ہے۔ وہ صحت کے لیے اچھا ہی نہیں ضروری بھی ہے۔''

پنڈت جی کے پانچ برس کا بیٹا منوج ہے۔ بہت چنچل اور حاضر جواب۔ وہ کہنے لگا۔

''کیا سبزیوں میں لوہا ہوتا ہے؟ وہی جس کی کڑھائی ہے۔'' منوج نے لوہے کی کڑاہی کی طرف اشارہ کیا جس میں پالک کا ساگ پک رہا ہے۔ ''تب تو پالک سے اسٹیل بنا سکتے ہیں!''

''وہ لوہا نہیں۔ یہ قدرتی مادہ ہوتا ہے۔'' پنڈت جی بتانے میں پریشانی محسوس کر رہے تھے۔ اسٹیل کی بات پر جھنجھلا کر بولے۔ ''پالک سے اسٹیل نہیں بناتے۔''

''تو پھر پالک میں کس طرح کا لوہا ہوتا ہے؟'' منوج پنڈت جی کی جان کو آ گیا! اُن کی پتنی ہنسنے لگیں۔ ''اور بچوں کو بھاشن دو!''

''یہ کھانوں میں پایا جاتا ہے اور......'' تبھی منوج نے پنڈت جی کی بات اُچک لی۔

''لوہا دھات بھی کھانوں اور کھدانوں میں ہوتی ہے!'' منوج اچھے اچھوں کے کان کاٹتا ہے۔ شاید اسی لیے پنڈت جی اپنے کانوں کو ڈھکے ہوئے ہیں!

''میں بھوجن کی بات کر رہا ہوں!'' لیکن پنڈت جی ہمت ہارنے والوں میں نہیں ہیں!'' ایسی چیزوں سے صحت بنتی ہے۔''

منوج پنڈت جی کا چھیتا بیٹا ہے کیونکہ وہی گھر میں سب سے چھوٹا بھی ہے۔ وہ بہت ذہین ہے اور اپنی کلاس میں سب سے تیز بچہ مانا جاتا ہے۔ پنڈت جی اپنے بچوں کو سبزیاں کھلاتے ہی نہیں انہی کے ساتھ خریدنے بھی جاتے ہیں۔ پنڈت جی نے سائیکل نکالی اور بولے۔''چلو منوج بازار سے سبزیاں لے آئیں۔'' وہ روزانہ تازی سبزیاں خریدنے جاتے ہیں۔ بھلا منوج کو کیا اعتراض ہوتا؟ اسے تو مفت گھومنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ کود کر سائیکل کے کریئر پر بیٹھ گیا جس پر گدی بھی لگی ہے۔

وہ محلّہ سے نکل کر بازار سے ہوتے ہوئے صدر کی طرف چل دیے۔ راستہ میں سبزیوں کی دکانیں دیکھتے ہی منوج نے کہا۔'' یہاں سے سبزیاں کیوں نہیں خریدتے؟ اتنی دور کیوں جاتے ہو؟''

پنڈت جی ہمیشہ صدر بازار کی منڈی سے سبزی خریدتے ہیں۔ جبکہ صدر بازار کافی دور پڑتا ہے۔ لیکن پنڈت جی صرف وہیں سبزی خریدتے ہیں۔''وہاں تازہ سبزیاں آتی ہیں۔''

''کیا یہ سبزیاں تازہ نہیں؟'' منوج نے سڑک کے کنارے لگی دکانوں کی طرف دکھاتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ یہ دکاندار ہیں اور سبزی خرید کر لاتے اور بیچتے ہیں۔''

''کیا صدر بازار میں سبزی والے دکاندار نہیں؟'' منوج نے پنڈت جی کے کان کترے۔

''وہ بھی دکاندار ہیں لیکن خود اپنے کھیتوں میں سبزیاں بھی اُگاتے ہیں۔'' پنڈت جی نے فرق بتایا۔

''تو وہ تازہ سبزیاں بیچتے ہیں۔'' منوج نے پوچھا۔

''ہاں۔ وہ اپنے کھیت سے روزانہ سبزیاں لاتے ہیں۔ اس لیے وہ تازی ہوتی ہیں۔''
یہ بات سننے کے بعد ہی منوج کو تسلی ہوئی۔ چونکہ وہ بہت تیز بچہ ہے اس لیے یہ بات بھی محسوس کی کہ پنڈت جی امراؤ سے ہی سبزیاں لیتے ہیں جبکہ وہاں کافی دکانیں ہیں۔

''اسی ایک دکان سے سبزیاں کیوں خریدتے ہو؟'' آج منوج نے پوچھ لیا۔

''میں جانتا ہوں کہ امراؤ اپنے کھیت سے ہی سبزیاں لاتا ہے۔ تبھی اتنی تازہ ہوتی ہیں۔'' پنڈت جی نے بتایا۔

''کہاں ہے اس کا کھیت؟'' منوج کی عادت ہے کہ بال کی کھال نکالتا ہے۔

''بڑے نالہ کے کنارے اُسی کے کھیت ہیں۔'' شہر کا بڑا نالہ بہت بڑا اور چوڑا ہے۔ شہر کے باہر نکلتے ہی امراؤ کے کھیت اُسی بڑے نالے کے کنارے ہیں۔ پنڈت جی کئی بار وہاں جا چکے ہیں۔

''تو ہم کھیت سے ہی کیوں نہیں لے آتے؟'' منوج نے مشورہ دیا۔

''وہ جگہ کافی دور پڑتی ہے۔ پھر صدر میں امراؤ کھیت کی ہی سبزیاں بیچتا ہے۔'' یہ کہنے کے بعد پنڈت جی خریداری میں لگ گئے۔

ایک دن اسکول سے خبر آئی کہ منوج کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ اُسے آکر لے جاؤ۔ پنڈت جی سرپٹ بھاگے۔ وہ منوج کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ''میرا بچہ۔'' کہتے ہوئے پنڈت جی نے منوج کے جھٹکے کھاتے جسم کو گود میں لے لیا۔ وہ اس کے منہ سے نکل رہے جھاگ کو پونچھ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد منوج کا دورہ ختم ہوگیا۔ لیکن پنڈت جی اُسے ڈاکٹر کو دکھانے لے گئے۔

''اسے کب سے دورے پڑتے ہیں؟'' ڈاکٹر نے منوج کا معائنہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''آج پہلی بار دورہ پڑا ہے۔'' پنڈت جی نے غمگین آواز میں بتایا۔

''دیکھیے اس کی ایم آر آئی کراتے ہیں۔ تبھی پتہ لگے گا۔ تب تک یہ دوائیں دیتے رہیے۔'' ڈاکٹر نے پرچہ تھماتے ہوئے کہا۔

کچھ دنوں میں منوج کی رپورٹ آ گئی۔ حالانکہ اتنے دنوں میں منوج کو ایک بار بھی دورہ نہیں پڑا۔ انھوں نے یہی بات ڈاکٹر کو بتائی۔

''اس کا مطلب یہ نہیں کہ دورے ختم ہو گئے۔'' ڈاکٹر نے صاف بتا دینا ٹھیک سمجھا۔

''یہ تو اچھا خاصا تھا۔ اسے کیا ہو گیا ہے؟'' پنڈت جی کی پریشانی آواز میں بھی جھلک رہی تھی۔

''اس کی رپورٹ آ گئی ہے۔ بہت پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' ڈاکٹر نے کچھ بھی بتانے سے پہلے تسلی دی۔ وہ جانتے ہیں کہ ماں باپ پر کیا گزرتی ہے جب اُن کا بچہ بیمار ہوتا ہے۔

''پھر بھی منوج کو کیا ہوا ہے؟'' پنڈت جی مرض کی بات پر اڑے رہے۔

''اس کے دماغ میں مٹر کے دانہ کے برابر پھپھولا سا ہو گیا ہے۔'' ڈاکٹر نے سمجھاتے ہوئے کہا ''جیسے ہاتھ پیر پر کہیں چھالا ہو جاتا ہے۔ اُس کی وجہ سے دورہ پڑا۔''

''کیا وہ ٹھیک ہو جائے گا؟'' پنڈت جی نے دماغ میں بن گئے دانے کے بارے میں جاننا چاہا۔

''ہاں۔ اب ایسی دوائیں آ گئی ہیں۔ لیکن تھوڑا وقت لگے گا۔ تب تک خیال رکھنا پڑے گا۔''

ڈاکٹر نے ایک بات یہ بھی بتائی۔ اُسے جب بھی دورہ پڑے تو اس کا وقت نوٹ کر لینا۔ خاص طور پر دورہ کتنی دیر رہا۔''

اب پنڈت جی منوج کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ وہ اس کا بہت زیادہ خیال رکھنے لگے۔ پھر ہلکا سا دورہ پڑا۔ وہ فوراً اسپتال پہنچ گئے۔

''کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ یہ دھیرے دھیرے کم ہوتے جائیں گے۔'' ڈاکٹر اپنے علاج سے مطمئن ہے۔ تبھی پنڈت جی کے دماغ میں سوال اٹھا۔

''آخر منوج کے دماغ میں یہ دانہ کیسے بن گیا؟ کوئی تو وجہ ہوگی؟'' وہ بیماری کی وجہ جاننا چاہتے ہیں۔

''کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔'' ڈاکٹر کہنے لگا۔''ایک وجہ سبزیاں بھی ہوتی ہیں۔''

یہ سن کر پنڈت جی کو یقین نہیں ہوا۔ وہ کہنے لگے۔''بھلا سبزیوں سے کیسے بیماری ہو سکتی ہے؟ سبزیاں تو صحت کے لیے سب سے اچھی ہوتی ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے پنڈت جی۔ سبزیاں صحت کے لیے عمدہ ہوتی ہیں۔ لیکن آج کل سبزیوں کے کھیتوں میں گندے پانی سے سینچائی کرتے ہیں۔ اس کی گندگی مٹی میں ہی نہیں پھیلتی۔ وہ سبزیوں کی جڑوں سے اندر پہنچ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ سبزیوں کے پتوں اور پھلوں میں بھی ہو جاتی ہے۔ ایسی سبزیاں کھانے پر بہت ہی ننھے اور نہیں دکھائی دینے والے کیڑے جسم میں پہنچ کر دماغ میں ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔''

پنڈت جی ہکا بکا رہ گئے۔''گویا سبزیاں نہیں کھائیں؟''

''ارے نہیں۔'' ڈاکٹر نے جلدی سے کہا۔''پہلی ضرورت سبزیاں ہی ہیں اُنھیں ضرور اور خوب کھائیں۔ لیکن کوشش کریں کہ وہ صاف پانی میں اگائی گئی ہوں۔ اگر نہیں، تو انھیں بہت اچھی طرح اور کئی بار دھوئیں۔ بس یہی ایک طریقہ ہے۔''

اُسی دن سے پنڈت جی نے طے کر لیا کہ ایسی اگائی جانے والی سبزیوں پر پابندی لگنی چاہیے۔ ایک امراؤ ہی نہیں کتنے ہی لوگ گندے پانی سے ہی سینچائی کرتے ہوئے سبزیاں اُگاتے ہیں۔

آج بھی کچہری کے باہر پنڈت جی دھرنے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اُن کے ساتھ کافی لوگ شامل ہو چکے۔ اس برائی کو روکنا ضروری ہے۔ یہ سبزیوں سے نہیں گندگی سے ہو رہا ہے۔

کیا تم پنڈت جی کا ساتھ نہیں دو گے؟

☆☆☆☆☆

سوئی ہوئی قیامت

ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جُرورا۔ وہاں کھیتی باڑی اور مویشی پالنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

گاؤں میں بجلی کی پریشانی ہمیشہ سے ہے۔ شام ہوتے ہی گاؤں میں اندھیرا پھیل جاتا ہے کیونکہ بجلی کا پتہ نہیں ہوتا! کھیتوں میں سینچائی کے لیے بھی بجلی سے چلنے والے ٹیوب ویل نہیں ہیں۔ کسانوں کو ڈیزل سے پمپ انجن چلا کر سینچائی کرنی پڑتی ہے۔

''ڈیزل کے دام پھر بڑھ گئے۔'' گاؤں کے چوپال میں باتیں ہو رہی ہیں۔

''کیا کیا جائے؟'' پردھان جی بولے ''بجلی آتی نہیں تو پمپ انجن چلانے پڑیں گے۔''

''گاؤں کے گھروں میں بھی بجلی کبھی کبھی چمکتی ہے۔'' توصیف نے شکایت کی۔ لیکن سننے والا کوئی نہیں۔

کچھ برسوں بعد بھی جرورا گاؤں کا وہی حال ہے۔ ایک دن گاؤں سے تھوڑی دوری پر کافی زمین پر کام شروع ہوگیا۔ پردھان جی نے پتہ لگایا۔ ''بہت بڑا بجلی گھر بن رہا ہے۔ شاید ہمارے گاؤں کا کچھ بھلا ہو۔''

''یہ تو اچھی خبر ہے۔ کچھ تو بجلی گاؤں کو بھی دیں گے۔'' اُنھیں امید ہے کہ بجلی گھر

اپنے پڑوسی گاؤں کا خیال رکھے گا۔ لیکن بجلی گھر کا کام پورا ہونے میں برسوں لگ گئے۔"
سرکاری کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ شکر ہے کہ کام پورا ہوگیا۔" لطیف نے آرام کی سانس لی۔
"لیکن اتنی چوکی اور پہرے داری کیوں ہے؟" گاؤں والوں کو حیرانی ہے کہ وہاں حفاظت کا اتنا انتظام ہے کہ پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا!
"اندر کافی گھر بھی بنائے گئے ہیں۔" جھگن نے دور سے دیکھا تھا جب گھر بن رہے تھے۔
"اب تو گھروں میں کتنے لوگ رہنے لگے ہیں۔ اسکول، اسپتال سبھی کچھ بنایا ہے۔" چودھری نے تازہ خبر دی۔ "بڑا عجیب بجلی گھر بنا ہے!"
پردھان جی کو صرف اتنا معلوم ہوا کہ یہاں کوئی خاص طریقہ سے بجلی بنائی جائے گی۔
"اسی لیے اتنا تام جھام ہے۔"
انھیں یہ خبر نہیں کہ جرورا میں جوہری توانائی سے بجلی بنائی جارہی۔ گاؤں والوں کو بعد میں پتہ بھی لگا کہ یہ ایٹمی پاور اسٹیشن ہے۔ لیکن یہ اُن کی سمجھ کے باہر تھا! جرورا ایٹمی پاور اسٹیشن کے اندر بھی زوردار بحث چل رہی ہے۔
"ہمیں نیوکلیائی فضلہ کو ٹھکانے لگانے کی دوسری اسکیم تیار کرنی ہے۔" چیف سائنٹسٹ چندرن نے کہا۔
"کیوں؟" چیف انجینئر نے فوراً سوال کیا۔ "اسے سمندر کی تہہ میں دبانے کی اسکیم کیوں بدلیں؟"
"یہ طریقہ دوسرے ملکوں میں بھی ہے۔ ایٹمی کچرا سمندر کی تہہ میں محفوظ بھی رہتا ہے۔"
حضرے سائنٹسٹ کی بھی یہی رائے نکلی تھی۔ "پھر پریشانی کیا ہے؟"
چندرن بہت سمجھ دار ہی نہیں زندہ دل آدمی بھی ہیں۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"بس ایک ہی پریشانی ہے۔ جرورا گاؤں میں سمندر کہاں سے لائیں؟"
سبھی ہنس پڑے۔ یہ بات صحیح ہے کہ سمندر ہزاروں میل کی دوری پر ہے۔
"وہاں تک ایٹمی کچرا لے جانے میں بہت خرچ آئے گا۔" اسسٹنٹ انجینئر پرکاش

کے کہنے پر جوہری توانائی کے ماہر پروفیسر سلام نے جواب دیا۔ ''ہمیں خرچ سے زیادہ ایٹمی کچرے کو اتنی دور حفاظت سے پہنچانے کا مسئلہ سوچنا ہے۔'' پروفیسر سلام راجدھانی سے آئے ہوئے ہیں۔'' یہ کوئی دال چاول تو ہے نہیں کہ بوریوں میں بھر کر ٹرکوں سے بھیج دیا۔'' اُن کے بتانے پر سبھی سمجھ گئے کہ ہزاروں میل دور ایٹمی کچرا بھیجنے میں کافی خطروں کا سامنا ہوسکتا ہے اور کوئی بھی ایٹمی خطرہ اٹھانا عقلمندی نہیں۔

''پھر یہ ہمارے ملک کی ساکھ کا بھی سوال ہے۔'' پروفیسر سلام نے ضروری بات بتائی۔

''ذرا بھی حادثہ ہوا تو دنیا بھر میں ہمارے ملک پر انگلی اٹھائی جائے گی۔''

''تو پھر ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے۔'' چندرن نے حل بتایا۔

''وہ کیا؟'' سلام صاحب جانتے ہیں لیکن ابھی باقی افسروں کو معلوم نہیں۔

''یہی کہ اُسے زمین کی گہرائی میں دبایا جائے کہ وہ محفوظ رہے۔'' چندرن نے اسکیم بتائی باقی لوگ بھی سمجھ چکے کہ کہیں دور بھیجنے کی اسکیم نہیں ہے۔

''گاؤں کے کھیتوں سے تھوڑی دوری پر کافی بڑی سرکاری زمین خالی پڑی ہے۔ ہمیں اسے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔'' چندرن نے ضروری کارروائی پوری کر رکھی ہے۔

''تو پھر وہیں کچرے کو کافی گہرائی میں دبانے کی تیاری کرتے ہیں۔'' پروفیسر سلام نے منظوری دی۔

ایک بار پھر گاؤں والوں کو حیرانی ہوئی۔ اُن کے کھیتوں سے دور بنجر زمین پر کام شروع ہوگیا۔ وہاں بھی حفاظت کا اتنا انتظام ہے کہ کوئی پیر بھی نہیں رکھ سکتا۔ تمام کوششوں کے بعد بھی پردھان جی کو بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ بنجر زمین پر کیا ہو رہا ہے؟

''ہمیں کیا کرنا؟ سرکاری کام ہے۔'' یہ کہہ کر پردھان جی نے لوگوں کے سوالوں سے پیچھا چھڑا لیا۔

مہینوں کی تیاری کے بعد بڑی خاموشی سے ایٹمی کچرے کے انتہائی مضبوط ڈرم ہزاروں فٹ گہرائی میں دفن کر دیے گئے۔ اس زمین کے چاروں طرف کانٹے دار تاروں کی باڑھ بھی لگا دی گئی۔ دھیرے دھیرے چرواہے اپنی بھیڑ بکریوں کے پیچھے وہاں جانے لگے۔

انھوں نے تاروں کو جگہ جگہ سے کاٹ دیا۔ چونکہ وہاں کافی پیڑ پودے لگائے گئے تھے اس لیے زمین کا یہ ٹکڑا بھی ہرا بھرا ہو گیا۔ بھلا اچھی سی گھاس دیکھ کر بھیڑ بکریاں اور گائے بھینسیں کیسے رُک جاتے؟ جانوروں کے جانے پر چرواہوں کو بھی وہاں جانے کا موقع مل گیا۔ اُس جگہ کی نگرانی کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تھی۔ اس لیے کوئی چوکی اور پہرے داری کا انتظام نہیں ہے۔ پھر جب کبھی کچرے کو دبانے کا وقت آیا تو چپ چاپ کام کیا گیا۔ بس اُسی وقت وہاں کسی کے آنے پر پابندی رہتی۔

گاؤں کے لوگوں کو آرام ہو گیا کہ اتنی بڑی اور ہری بھری جگہ ہے۔ یہاں چرواہوں کے علاوہ بھی نٹھلے لوگوں کا اڈا بن گیا۔ وہ لوگ اکثر پیڑوں کی چھاؤں میں تاش کے پتے کھیلتے ہیں۔

لیکن یہ کوئی نہیں جانتا ہے کہ ہزاروں فٹ کی گہرائی میں کتنی بڑی قیامت ہو رہی ہے؟ ایک ایسی قیامت جو مٹی، زمین کو ہی نہیں ہوا کو بھی زہریلا بنا سکتی ہے۔ وہ بھی ہزاروں برسوں کے لیے!

حالانکہ انتظام پختہ کیا گیا، پھر بھی..........

☆☆☆☆☆

نئی کالونی

پرانی بستی میں زیادہ تر مزدور رہتے ہیں۔ ان کے کچے، پکے مکان بہت چھوٹے اور بس رہنے کے لائق ہیں۔ کسی نے بانس بلی سے چھت بنا کر اُس پر کالی پلاسٹک کی چادر تان دی تو کسی نے سیمنٹ جیسی دکھائی دیتی نالی دار چادریں لگا رکھی ہیں۔

''یہ پلاسٹک زیادہ دنوں تک نہیں چلتی۔ پھر برسات میں پانی بھی ٹپکنے لگتا ہے۔'' میکو نے اشرف کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اتنے پیسے کہاں سے لائیں کہ پکی چھت بنا سکیں۔'' ہر ایک کی طرح اشرف کی بھی یہی پریشانی ہے۔

''یہ سیمنٹ کی نالی دار چادر سستی اور اچھی رہتی ہے۔'' میکو نے اپنے تجربہ سے بتایا۔

دھیرے دھیرے پرانی بستی میں ہر طرف انہی چادروں کی چھتیں بن گئیں۔ دوسرے غریبوں کی بستیوں کی طرح پرانی بستی بھی قبضہ کی ہوئی زمین پر بنی ہے۔

ایک دن بستی میں کئی لوگ آئے۔ انھوں نے برسوں سے وہاں رہنے والوں سے بات چیت کی۔ یہ باتیں کئی دنوں تک شام میں ہوتی رہیں۔ پھر ایک دن بستی میں مٹھائی بانٹی گئی۔ وہاں رہنے والے اچھی رقم لے کر بستی خالی کرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ اب یہاں نئی کالونی بنے گی۔

مہیش کو اعتراض ہے۔ ''ہم یہ زمین کیوں چھوڑیں؟ پھر کہاں رہیں گے؟''

''یہ ہماری زمین نہیں ہے۔ کل پولس آ کر خالی کروائے۔ اس سے اچھا ہے کہ موٹی رقم لے کر خالی کر دیں۔'' نقّو ان کا چودھری ہے۔ یہ سودا بھی اُسی نے کیا ہے۔

''لیکن رہیں گے کہاں؟'' مہیش اپنی بات پر اڑا ہے۔

''ایسی ہی کسی دوسری زمین پر'' نقّو چودھری نے ہنستے ہوئے کہا، ''اس بار کسی سرکاری زمین پر رہیں گے۔ وہ بھی اسی شہر میں!''

''چودھری یہ اتنا آسان نہیں۔ میکو بولا ''میں تو گاؤں چلا جاؤں گا۔ اسی لیے مکان دینے کو تیار ہو گیا۔

''کیوں رے شرفو؟ تیری بھی گاؤں میں زمین اور کھیت ہیں؟'' چودھری نے اشرف سے پوچھا جو ہمیشہ میکو کے ساتھ رہتا ہے۔

''کہاں چودھری۔'' شرفو بتانے لگا۔ ''وہاں بھی کھیتوں میں مزدوری کرتا تھا۔''

''تم لوگ میرا ساتھ دو۔ میں نے زمین بھی دیکھ رکھی ہے اور قبضہ بھی ہو جائے گا۔'' چودھری نے غلط نہیں کہا۔ وہ پوری تیاری کر چکا ہے۔ راجدھانی کی سرحد پر دو سرکاروں کے جھگڑے کی زمین خالی پڑی ہے۔

''بس ایک رات میں ہی بستی بنانی ہے۔'' انھیں یقین ہے کہ چودھری کامیاب رہے گا اور ایسا ہی ہوا!

پرانی بستی میں مزدوروں کے مکانوں کو توڑا جا رہا ہے۔ یہ کام بلڈوزر کے لیے مشکل بھی نہیں۔ ''ان مکانوں میں رکھا ہی کیا ہے؟ کچھ دیواریں یا گارے سے اینٹیں رکھی گئی ہیں۔'' انجینئر بستی توڑنے کے لیے بتانے لگا۔ ''چھتیں بھی ایسبسٹوس چادروں کی ہیں۔'' اُس سیمنٹ جیسی دکھائی دیتی نالی دار چادروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو گراتے ہی چورا بن جائیں گی۔''

''کیا انھیں سمیٹ کر پھینکنا ہے؟'' ٹھیکیدار نے پوچھا۔

''کیا تمھاری عقل ماری گئی ہے؟'' انجینئر نے ڈانٹ لگاتے ہوئے کہا۔ ''یہاں زمین

برابر کرنے کے لیے یہی ملبہ کام آئے گا۔ تمھیں ٹھیکیدار کس نے بنا دیا؟''

''صاحب غلطی ہوگئی، اتنی دور کی ہم کہاں سوچ پاتے ہیں۔'' اس نے انجینئر پر مکھن لگایا۔ اس کے بعد مزدوروں کے مکانوں کا ملبہ اونچی نیچی زمین پر بچھا دیا گیا۔ ''اب مٹی بھی کم ڈالنی پڑے گی۔'' انجینئر نے کالونی کے مالکوں سے کہا۔ وہ بھی انجینئر کی ہوشیاری سے خوش ہیں۔ وہاں پچاسوں مکانوں کی ایسبسٹوس چادروں کا برادہ فرش پر پھیل گیا۔ یہ دیکھنے میں بالکل سیمنٹ لگ رہا ہے۔ اُس کے بعد زمین پر مٹی کی تہیں لگائی گئیں۔ اس سے زمین نہ صرف پختہ ہوگئی بلکہ برابر بھی۔ ''اگر ملبہ نہ بچھاتے تو مٹی ڈالنے کا خرچ بہت زیادہ ہوتا۔'' انجینئر اپنی عقلمندی سے بہت خوش ہے۔

دھیرے دھیرے کالونی بننے لگی۔ ایک گول پارک کے چاروں طرف پانچ منزلہ عمارتوں میں سینکڑوں مکان بنائے جا رہے ہیں۔ بہت اونچی عمارتیں بنانے پر لفٹ لگانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی لیے پانچ منزلوں کی ہی عمارتیں بنائی گئی ہیں۔ ''یہ اوسط درجہ کے لوگوں کے لیے بنی ہے کیونکہ سرکاری اجازت اسی لیے دی گئی۔ ہم بہت مہنگے گھر نہ تو بنا سکتے ہیں اور نہ ہی انھیں بیچ سکیں گے۔'' کالونی بنانے والوں نے اپنی ٹیم کو پہلے ہی یہ بات صاف کر دی تھی۔ اسی لیے ملبہ کو فرش اور زمین برابر کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔

کالونی کا گول پارک خوب صورت ہے۔ اس میں گھاس کا میدان ہے اور بچوں کے کھیلنے کا سامان بھی عمدہ لگایا گیا ہے۔ ''گارڈن سٹی میں دور سے دیکھ کر لبھانے کی کچھ چیزیں ہونا ضروری ہیں۔'' کالونی کے مالک نے انجینئر کو بتایا۔ ''اس لیے پارک میں کھیلنے کا سامان اچھا اور رنگین ہونا چاہیے۔ اس معاملہ میں پیسہ کی بچت نہیں کرنا۔'' میں سمجھ گیا۔ گول پارک پبلسٹی کے کام آئے گا۔'' سمجھدار انجینئر نے واقعی بہت خوب صورت پارک بنایا۔ اس کے علاوہ کافی پیڑ بھی لگائے گئے۔ ''بھئی گارڈن سٹی کیوں کہلائے گی اگر کالونی ہری بھری دکھائی نہیں دے گی۔'' خوشی کا ماحول ہے کیونکہ کالونی بن کر تیار ہو چکی اور لوگوں نے گھر بسانے شروع کر دیے ہیں۔

سال بھر میں کالونی میں رونق آ گئی، سبھی مکانوں میں خاندان آباد ہو چکے ہیں۔ پارک

میں بچوں کی بھیڑ رہتی ہے۔ اسلم کے بھی دو بچے، ہیں جو پارک میں کھیلتے نہیں تھکتے۔

''ناظر صاحب، بھئی پارک بہت خوب صورت بنایا ہے۔ یہاں رہنے کے پیسے وصول ہو گئے۔'' اسلم نے اپنے پڑوسی سے کہا جو اپنی چھوٹی سی بیٹی کو پارک میں کھیلنے کے لیے لائے ہیں۔

وہاں بہت چھوٹے اور گود کے بچے بھی اپنی ماؤں کے ساتھ ہیں۔ ثمینہ کہتی ہے ''تھوڑی دیر کھلی ہوا میں کھیلنے اور رہنے سے بچوں کی صحت اچھی رہتی ہے۔''

''ہاں چھوٹے چھوٹے فلیٹ میں بند رہ کر بچوں کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ یہی بڑے شہروں اور کالونی میں رہنے کے نقصان ہیں۔'' سویتا بھی اپنی بچی گود میں لیے پارک میں گھومنے آئی ہیں۔ اچھی، بات یہ ہے کہ پارک بنانے میں عقل کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔'' یہ بات ثمینہ وہاں بنی پتلی لیکن پختہ راہداری کے لیے کہہ رہی ہے جس پر بچوں کے اسٹرولر آسانی سے چل سکتے ہیں۔ وہ اپنے سال بھر کے بیٹے کو اسٹرولر میں ہی لاتی ہے۔

ابھی وہاں رہتے ہوئے لوگوں کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ نئی پریشانی پیدا ہو گئی۔ کالونی کے چھوٹے بچوں میں سانس کی بیماری اتنی تیزی سے پھیلی کہ یہ عام یا معمولی بات نہیں رہی۔ ''اتنے بچوں کو ایک ہی بیماری ہو جائے تو ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔'' کالونی میں باتوں کے علاوہ غصہ بھی ہونے لگا۔ ''اس کی جانچ ہونی چاہیے۔''

''چھوٹے بچوں کے علاوہ بڑے بوڑھوں میں سانس کا مرض بہت زیادہ ہو گیا ہے۔'' کالونی کے سکریٹری نے بتایا۔

''وہ بھی بچوں کی طرح نازک ہوتے ہیں۔ ضرور کوئی وجہ ہے۔'' محلہ سے الیکشن میں امیدوار ناصر خاں بھی آگئے اور مورچہ سنبھال لیا۔ سرکاری ڈاکٹروں کی ٹیم آنے میں دیر نہیں لگی جب معاملہ اخباروں میں اچھالا جانے لگا۔ پھر جلد ہی نتیجہ بھی سامنے آگیا۔

یہاں ایسبسٹوس کی دھول بہت زیادہ ہے۔ اُسی کی وجہ سے یہ بیماری پھیل گئی ہے۔

سٹی گارڈن کی زمین پر ایسبسٹوس گرد کا بچھا ہوا فرش اپنا رنگ دکھا رہا تھا!

☆☆☆☆☆

پچھلے چند برسوں میں ماحولیاتی آلودگی نے ایک بڑے مسئلے کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور اس کی روک تھام کے لیے عالمی پیمانے پر کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ان کوششوں میں مشرق و مغرب کے تمام ممالک شامل ہیں۔ ہندوستان میں بھی ماحولیاتی آلودگی پر قابو پانے کی کوششیں تیز ہوئی ہیں اور بہت سی سرکاری اور غیر سرکاری تنظیمیں اس مسئلے پر قابو پانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ادب میں بھی اس کی گونج اب واضح طور پر سنائی دیتی ہے اور بہت سے ادیب و فنکار اپنے اپنے طور پر اس مسئلے کی طرف اور اس کے سنگین نتائج کی طرف لوگوں کو متوجہ کر رہے ہیں۔ ادریس صدیقی بھی ان میں سے ایک ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ 'ماحولیاتی مسئلوں سے آگاہ کرنے کے مختلف ذریعوں میں کہانیاں بہت اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ بچے نصاب میں جو پڑھتے ہیں وہ امتحان کے بعد بھول جاتے ہیں۔ لیکن کہانیوں سے کسی مسئلہ سے واقف کیا جائے تو ذہن پر نقش ثبت ہو سکتا ہے۔'

'زمینی آلودگی پر مبنی کہانیاں' میں شامل کہانیاں اسی مقصد سے لکھی گئی ہیں کہ بچے اس مسئلے سے واقف ہوں اور بڑے ہو کر ذمہ دار شہری بنیں۔ ادریس صدیقی کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ان کا شمار ادب اطفال کے نمائندہ ادیبوں میں ہوتا ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی-110025

قیمت -/35 روپئے